اِقتدار اعلیٰ کا تصور: مغربی اور اسلامی نقطۂ نظر سے

THE CONCEPT OF STATE SOVEREIGNTY
FROM ISLAMIC AND WESTERN PERSPECTIVE

Dr. Afia Mehdi
Nida Saher

ABSTRACT

Absolute power is one of the primary elements of state structure and the central point of political philosophy and politics. What is its nature and Surronding? Unlike the western inkling in this perspective, Islamic concept of absolute power is entirely different. According to the Islamic concept, Allah Almighty holds all powers in the state affairs. Being the only Creator of the universe, He has revealed the best of laws and commands for the mankind. Western belief, on the contrary is limited to their material sensual understanding of the universe and its subject. The current study addresses this primary element of state sovereignty in comparison with the western thought accordingly.

Keywords: *Absolute power, Divine Law, Capitalism, Communism, Democracy.*

خلاصہ

اجتماعی زندگی کے نظام کو قائم کرنے کے لئے ایک قوتِ قاہرہ کی ضرورت و اہمیت علم سیاسیات اور سیاسی فلسفہ کی جان ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ قوّت قاہرہ یا اقتدارِ اعلیٰ کی ماہیت اور حدود کیا ہیں؟ اس حوالے سے اسلامی نکتہ نظر، مغربی نکتہ نظر سے بالکل برعکس ہے۔ اسلامی نکتہ نظر سے ریاست کا اقتدارِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے جو کائنات کا تنہا خالق ہے۔ اس نے بنی نوع انسان کے لئے بہترین فرامین اور احکام صادر فرمائے ہیں۔ اس کے برعکس، مغربی فلسفہ سیاست میں اقتدار اعلیٰ کا تصوّر مادی تصوّرِ کائنات سے جڑا ہوا ہے۔ پیش نظر مقالہ میں اقتدار اعلیٰ کے نظریے کا اسلامی اور مغربی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے۔

کلیدی کلمات: اقتدارِ اعلیٰ، قانون الٰہی، سرمایہ داری، اشتراکیت، جمہوریت۔

اقتدارِ اعلیٰ کا مفہوم

سیاسی اصطلاح میں حاکمیت سے مراد اقتدار اعلیٰ، حاکمیت اعلیٰ اور اقتدارِ مطلق ہے۔ حاکم اعلیٰ یا مقتدر اعلیٰ وہ ہوتا ہے۔ جس کا ارادہ اور اس کی منشا و مرضی قانون کا سرچشمہ ہوتا ہے اور اس کا حکم سب پر بالادست قانون ہوتا ہے۔ عربی زبان میں حاکمیت اور اقتدار کے لئے کہیں حکم بالأمر[1] 'حکم و امر' کے الفاظ، کہیں 'سلطان' اور 'ملك' کے الفاظ آئے ہیں۔ لفظ 'سلطان' اور 'ملک' میں 'ریاست' اور 'اس کے اقتدار اعلیٰ' کا مفہوم بیک وقت شامل ہے۔[2] 'حاکم' کا ماخذ 'حکم' ہے جس کے معنی فیصلہ و فرمان کے اور دانش و حکمت کے بھی ہیں۔ یہ ح۔ک۔م مادہ سے ہے۔ اس کے دوسرے بہت سے اشتقات ہیں، جیسے حکم، حَكَمٌ، فَحُكُمٌ، تحکم وغیرہ۔[3] لسان العرب میں اس کے یہ معنی بیان ہوئے ہیں: "والحُكْمُ العِلْمُ والفقه والقضاء بالعدل"[4] ترجمہ: "حکم علم و فقہ کو بھی کہتے ہیں اور عادلانہ فیصلے کو بھی کہتے ہیں۔" ابن دُرید لکھتے ہیں: "الحكم: مَعْرُوف حكم يحكم حكما. وَالله عز وَجل الْحَاكِم الْعدْل وَالْحكم الْعدْل فِي حكمه"[5] ترجمہ: "حکم معروف ہے حکم، یحکم، حکماً سے، اللہ سب سے بڑا عادل حکمران ہے اور حکم اس کے قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کو کہتے ہیں۔"

عربی لغت کے نقطہ نظر سے حکم فرمان شاہی اور عادلانہ فیصلے کو کہتے ہیں، اور مروجہ زبان میں اس سے مراد قانون اور امر و نہی ہیں۔ اُردو زبان میں حکم کو اقتدار کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ فرہنگ آصفیہ میں مذکور ہے۔ حکومت کے معنی فرمانروائی، حکمرانی اور راج کے ہیں۔ حکم فیصلہ شرعی کو کہا جاتا ہے۔[6] فرہنگ تلفظ میں مذکور ہے: ''اقتدار سے مراد: قوت غلبہ، حاکمیت اور مقتدر کے ہیں''۔[7] اسلامی قانونِ لغت میں درج ہے: ''حکم کے معنی فیصلہ کے ہیں اور حاکم، قاضی، جج اور حکم فیصلہ کرنے والے ہیں''۔[8] انگریزی زبان میں یہ اختیار، حاکمیت' اور 'اقتدار اعلیٰ' (Sovereignty) کہلاتا ہے۔ اور اس کے مرکز و محور کو Sovereign کہا گیا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا میں اس لفظ کی تشریح یوں کی گئی ہے:

"Originally, as derived from the Latin term su pera nus through the French term souverainete, sovereignty was meant to be the equivalent of supreme power."[9]

یعنی: "بنیادی طور پر یہ لفظ لاطینی زبان کے لفظ superanus سے نکلا ہے جو کہ فرانسیسی زبان میں souverainete آیا ہے، اصل میں اقتدار اعلیٰ سے مراد طاقت اعلیٰ ہے۔"

قومی انگریزی لغت میں مذکور ہے: (Sovereign, Sovran) کے معنی بالاترین، اختیار و حکمرانی کا مالک، شاہی فرماں روا۔ اسم حاکم اعلیٰ، حکمران، وغیرہ ریاست میں: حاکمیت یعنی اقتدار اعلیٰ کا منصب: آزاد ریاست فرماروائی، مطلق العنانی وغیرہ کے مطالب میں استعمال ہوتے ہیں۔[10] ان مختلف تعریفوں سے ثابت ہوا کہ اقتدار اعلیٰ کا اختیار ایسا اختیار ہے، جو سب سے بالاتر ہو، جو فیصلوں میں آزاد ہو اور قانون کا سرچشمہ بھی وہی ہو۔

قدیم مغربی سیاسی فکر اور تصور اقتدارِ اعلیٰ

حضرت آدم علیہ السلام کی آمد کے بعد اور حضور ﷺ کی آمد سے دنیائے عالم میں سیاسی نظام مختلف شکلوں میں رائج رہا۔ ان تمام سیاسی نظاموں کی خصوصیات یہ تھی کہ ان نظاموں میں ایک شخص کو مطلق العنانیت حاصل رہی اور اس کو تمام انسانوں سے افضل جانا جاتا تھا۔ جو شخصی حکومت کا دور کو ظاہر کرتا ہے۔ لہٰذا جدید تصور اقتدار اعلیٰ سے قبل یہ لازمی ہے کہ مختصراً اُن نظاموں پر روشنی ڈال دی جائے۔

1۔ ملوکیت (استبدادی بادشاہت)

مغربی نظام ہائے سیاسی میں سب سے زیادہ مروج اور قدیم ترین نظریہ ملوکیت یا بادشاہت کا ہے۔ عربی زبان میں مُلکؑ اور مَلِکؑ اپنے لغوی معنوں کے اعتبار سے کوئی بُری چیز نہیں ہے۔مَلِکؑ کے لغوی معنی حکمران کے ہیں۔ امام راغب اصفہانی نے مَلِکؑ کا مفہوم اس طرح بیان کیا ہے: "المَلِكُ: هو المتصرّف بالأمر والنّهي في الجمهور، وذلك يختصّ بسياسة الناطقين"[11] ترجمہ: ملک وہ ہوتا ہے جو جمہور میں امر و نہی کے ذریعے تصرف کرتا ہے اور یہ تصرف ذی عقل لوگوں کی سیاست کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے۔ یہاں یہ لفظ لغوی معنوں کی بجائے اصطلاحی معنوں میں مطلوب ہے۔ یعنی ملوکیت و بادشاہت کا تعارف ایک شخصی حکومت کے پس منظر میں بیان کیا جارہا ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن خلدون نے ملوکیت کی فنی اور اصطلاحی تعریف اس طرح کی ہے: "هوحمل الكافّة على مقتضى الغرض والشّهوة"[12] ترجمہ: استبدادی بادشاہت وہ حکومت ہے جو لوگوں کو بادشاہ کی ذاتی اغراض اور خواہشات پوری کرنے پر مجبور کرتی ہے۔

قرآن پاک میں ملوکیت کو فساد و بگاڑ اور ظلم و بربریت پھیلانے والی بادشاہت کہا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ (27:34) ترجمہ: یقیناً بادشاہ جب داخل ہوتے ہیں۔ کسی بستی میں تو اس کو خراب کر دیتے ہیں۔ اور کر ڈالتے ہیں وہاں کے باعزت لوگوں کو بے عزت اور

ایسا ہی کرتے رہتے ہیں۔" ملوکیت کے شہنشاہی نظام میں بادشاہ کی منشا ماخذِ قانون ہوتی ہے۔ پوری قوم اور سارا قومی خزانہ اس کی ذاتی ملکیت تصور ہوتا ہے گویا بادشاہ انسانی شکل میں خود مالک ہے۔

2۔ الوہیت

الوہیت کے قدیم ترین نظریہ میں جن شخصیات نے اہم کردار ادا کیا ان میں پہلا، **نمرود** تھا۔ تاریخ کے قدیم ترین نظریوں کے مطابق ۲۰۰۰ قبلِ مسیح بابل میں ایک متمدن حکومت نے اپنا جاہ وجلال دکھایا لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرمانروا نے اپنے سیاسی شخصیت میں الوہیت کا رنگ پیدا کر کے تمام رعایا کو عذاب میں مبتلا کر دیا، اور وقت کے مصلح کو آگ میں جھونک دیا۔[13] الوہیت کے قدیم ترین نظریہ میں جن شخصیات نے اہم کردار ادا کیا ان میں دوسرا، **فرعون** تھا۔ الوہیت اور استبدادی بادشاہت کی بھیانک تصویر فرعونِ مصر تھا جس کے پاس حضرت موسیٰؑ اسلام کی دعوت لے کر گئے۔ فرعون مصر کے قدیم بادشاہوں کا لقب تھا۔ عربی میں سرکش اور متکبر کو فرعون کہا جاتا ہے۔[14] قران پاک میں حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا قصہ تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ یہ قصہ دراصل فرعونی نظام اور توحید و شرک کی باہمی کشمکش کا سبق آموز قصہ ہے۔ یہ الوہیت اور مطلق العنانی کا قبیح ترین اور جابرانہ نظام تھا، جس کو فرعون ازم کا نام دیا جا سکتا ہے۔[15] فرعونی نظام حاکمیت ربوبیت اور الوہیت کا دعویدار تھا۔ قرآن کریم نے فرعون کا یہ قول نقل کیا ہے: فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ (79:64) ترجمہ: "پس کہا فرعون نے میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔" الوہیت و ربوبیت کے دعویٰ کے ساتھ ساتھ یہ نظام درج اُصول و ضوابط پر یہ استبدادیت مبنی تھا:

۱۔ عوام کو غلام سمجھنا: فرعونیت کا اُصول تھا کہ بنی اسرئیل اُن کی غلام ہیں، موسیٰؑ وہارون ان کی تابعدار غلام اور ذلیل و خوار قوم ہے۔

۲۔ سرمائے اور دولت کو شرافت کا معیار سمجھنا: قران میں فرعون کی اس خصوصیت کے بارے میں وضاحت ملتی ہے۔(43: 51-53)

۳۔ سیاسی قتل کروانا اور بیگار لینا: بائیبل میں بھی بیگار لینے اور بچوں کو قتل کروانے کی یہی وجہ بیان ہوئی ہے کہ ان کو کمزور کیا جائے۔

۴۔ سیاسی رشوتیں دینا اور لوگوں کے ضمیر خریدنا۔

۵۔ دلیل کا جواب تشدد سے دینا وغیرہ شامل ہیں۔

٦۔چنگیریت: سرداری اور ملوکیت نظریہ سیاست کی ایک تصویر چنگیریت کی شکل میں بھی تاریخ میں موجود رہی۔چنگیز خان کا تعلق تاتاری منگول قوم سے تھا۔چنگیز خان نے اپنی ریاست قائم کرتے ہی دنیا کے دوسرے خطوں کا رُخ کیا، اور ساری دنیا میں قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ مؤرخین نے چنگیز خان کے خطرناک اور خونریز عزائم کو بیان کیا ہے۔ محرم ٦٥٦ھ میں چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان نے مسلمانوں کے دارالخلافہ بغداد کو تباہ برباد کر دیا۔ اس واقعے کو تاریخ میں سقوط بغداد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بقول ابن خلدون کے اس واقعہ میں مقتولین کی تعداد ١٦لاکھ تھی۔[16]

3۔ پاپائیت یعنی تھیاکریسی

پاپائیت یعنی پاپائے روم بھی آمریت و بادشاہت کی ایک شکل ہے۔ پوپ کی زبردست طاقت کا یہ دور ٨٠٠ء سے شروع ہوا۔ پوپ ہی روما کا معنوی فرمانروا تھا۔ پوپ کے ایک ہاتھ میں یورپ کے بادشاہوں کے تاج تھے، تو دوسرے ہاتھ میں عوام کے دل و دماغ کی باگ دوڑ، سیاسی قوت اور مذہبی اثر اور دولت نے کلیسا کو وقت کا اہم ترین ادارہ بنا دیا تھا۔[17] پاپائیت اور تھیوکریسی کو لوگ مذہبی حکومت کہتے ہیں، حالانکہ یہ مذہب کی حکومت نہیں تھی، بلکہ یہ پاپاوں کی حکومت تھی۔ جو ایک طرح کا شرک ہے۔ جس طرح کا شرک ملوکیتِ اور سیکولر جمہوریت میں نظر آتا ہے۔[18] قرآن پاک میں انہی نام نہاد مذہبی پیشواوں کے بارے میں ان الفاظ میں وضاحت کی گئی ہے: اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللهِ (31:9) ترجمہ: "بنا لیا تھا انہوں نے اپنے علماء اور راہبوں کو اپنا رب خدا کے علاوہ۔"

مذکورہ بالا صفحات میں اقتدارِاعلیٰ کے نظریے کے حوالے سے قدیم مغربی تصورات کا جائزہ لیا گیا ہے۔اس ساری بحث کے بعد ثابت ہوتا ہے۔کہ مغرب میں اقتدار اعلیٰ کا حقدار صرف ایک شخص ہے اُن کے ہاں مذہب نام کی کوئی چیز وجود نہیں رکھتی اور نہ ہی مذہبی اقدار کو سیاست میں عمل دخل حاصل ہے۔ بادشاہ ہی تمام عوام کا فرمانروا ہے اور قانون بنانے، حکم صادر کرنے کا حق صرف اُسے حاصل ہے۔ عوام کا فرض ہے وہ بادشاہ کے حکم کی تابعداری کرے۔

مغرب میں جدید سیاسی تصورات اور اقتدار اعلیٰ کی حقیقت

پاپائے روم کے مظالم سے تنگ آکر مارٹن لوتھر نے تحریک اصلاح مذہب کے نام سے شروع کی۔ مارٹن لوتھر کی تحریک کا مقصد یورپ کو پوپ کے مظالم سے نجات دِلانا تھا۔ مارٹن لوتھر کو اس جرم کی پاداش میں بے دردی

سے قتل کر دیا گیا۔ لیکن جس اصطلاحی پہلو کا اغاز اُس نے کیا اُس کا سفر اُس کی موت کے ساتھ ختم نہیں ہوا بلکہ چند سر گرم راہنماوں نے اس کو آگے بڑھایا۔ اور پوپ کے اقتدار کو ختم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مغرب کے سیاسی تصورات اور تاریخی حالات کی روشنی میں یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ عہد قدیم میں اقتدار اعلیٰ کا اختیار ایک شخص کے پاس رہا لیکن موجودہ دور خصوصاً سولہویں صدی سے اٹھارویں صدی میں ہونے والی سیاسی تبدیلیوں کے نتیجے میں اقتدار کی جنگ ایک شخص سے نکل اب جماعت تک منتقل ہو چکی ہے۔ جدید مغربی نقطہ نظر سے اقتدار اعلیٰ کی حقیقت مختلف سیاسی نظاموں کی رو سے درج ذیل ہے۔

سرمایہ داری نظام اور اقتدار اعلیٰ کا تصور

چودھویں صدی سے لے کر سولہویں صدی تک کا زمانہ یورپ کی تاریخ میں دور متوسط سے دور جدید کی طرف عبور کا زمانہ تھا۔ اس زمانہ میں مغربی زندگی کا ہر پہلوان اثرات کی وجہ سے حرکت میں آگیا۔ جو بیرونی دنیا سے درآمد ہو رہے تھے۔[19]

Beginning in the 18th century in England the focus of capitalist development shifted from commerce to industry.[20]

اٹھارویں صدی میں مشین کی ایجاد نے اس انقلاب کی رفتار کو زیادہ تیز کر دیا۔ اس عظیم الشان ترقی، خوشحالی اور قوت و اقتدار نے جن مواقع کا دروازہ کھولا ان سے فائدہ اُٹھانے کا ہے قریب ترین اگر کوئی گروہ تھا تو وہ سرمایہ داروں کا گروہ تھا۔ کیونکہ صنعت و تجارت بھی اسی کے ہاتھ میں تھی اور سرمایہ بھی اسی کے پاس تھا۔ اس نے سرمایہ، فنی قابلیت، تنظیمی صلاحیت اور کاروبار کا ایک نیا نظام لا کھڑا کیا، جسے 'جدید نظام سرمایہ داری' کہا جاتا ہے۔ سیاست کے میدان میں سرمایہ دار طبقہ اور سیاست کا مطالبہ یہ تھا کہ حکومت کے اختیارات کم سے کم ہوں اور فرد کی آزادی کی حد زیادہ سے زیادہ ایک مخصوص طبقہ کی رائے سے حکومتیں بنتی اور ٹوٹنی چاہیے۔[21]

1۔ سرمایہ داری نظام کی اصل حقیقت و نوعیت

"A way of organizing an economy so that the things that are used to make and transport products (such as land, oil, factories, ships, etc.) are owned by individual people and companies rather than by the government."[22]

یعنی: "کسی بھی معیشت کو اس طرح سے منظّم کرنا کہ اس میں استعمال ہونیوالی تمام اشیاء ان کی تیاری و ترسیل جیسا کہ زمین، تیل، فیکٹریاں اور جہاز وغیرہ سب فردا کی انفرادی زیر اقتدار میں آنے کو سرمایہ داری نظام کہتے

ہیں اور اس نظام میں حکومت کے پاس کوئی طاقت نہیں ہوتی۔" فرد قانون سازی اور حکومت کے متعلق امور میں بھی اپنی رائے دینے میں آزاد ہے۔ فرد کے اختیار میں ہے کہ جو عقیدہ چاہے رکھے، فرد کی آزادی پر کوئی حدود لاگو نہیں ہوتی کیونکہ اس نظام میں حکومت نام نہاد حیثیت سے کام کرتی ہے۔

لبرلزم اور سرمایہ داری کا تعلق

The individual has complete freedom of thought and action in every sphere of life. No higher authority has the power to impose and restriction on the liberty of the individual. The individual can show his abilities to the best only in an atmosphere of complete freedom. The function of the Sovereignty of State is not to circumscribe, but to safeguard the liberty of the individual.[23]

یعنی: "انفرادیت کو زندگی کے ہر شعبے میں ہر شخص کو مکمل آزادی فکر و ااظہار حاصل ہے۔ کسی بھی بڑے ادارے یا حکومت کو کسی بھی فرد کی آزادی پر پابندیاں لگانے کا کوئی اختیار نہیں۔ کوئی بھی شخص اپنی صلاحیتوں کا بدرجہ اتم صرف اسی وقت ہی اظہار کر سکتا ہے جب اسے مکمل آزادی میسر ہو۔ ریاست کی خود مختار حیثیت کا استعمال کا مطلب یہ نہیں کہ انفرادی یا شخصی آزادی کو محدود کیا جائے بلکہ اس کا احترام اور حفاظت ریاست پر لازم ہے۔" گویا اس نظام میں اقتدار اعلیٰ کی ملکیت سرمایہ دار گروہ کی ہوتی ہے۔اور یہی طبقہ معاشرہ پر حکومت کرنے کا حق رکھتا ہے۔ سرمایہ دار کو دولت ہونے کے سبب مالک مانا گیا۔ جس کے لئے نہ وہ خدا کو جواب دہ رہا نہ انسان کو اس کے علاوہ اس کی کوئی حدود مقرر نہیں تھیں۔[24] معنی و مفہوم کے اعتبار سے بھی لبرلزم اور سرمایہ داری باہم ہم آہنگ ہیں۔ ماہرین اقتصادیات نے سرمایہ دار کی لبرل ازم کی بنیاد آزادی کے تصور پر رکھی ہے جسے فرد کی سرگرمیوں میں ریاست کی مداخلت سے مکمل آزادی کی صورت میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

2۔اشتراکی نظام

اشتراکی کے ظہور کا بنیادی سبب سرمایہ داری سے پیدا ہونے والا طبقاتی اختلاف ہے۔اشتراکیت کو انگریزی زبان میں سوشلزم کہتے ہیں جو سوسائٹی سے نکلا ہے اور اس کا ماخذ سوشل ہے۔ جس کے معنی سماجی یا معاشرتی سیاسیات کے ہے۔[25] اُردو زبان میں اشتراکیت سے مراد قومی ذرائع پیداوار کا ریاست کی تحویل میں، کل آبادی کی ملکیت ہونا۔[26] اشتراکی نظریہ فکر کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ:

Socialism or communism means an economic system in which the means of production are owned by the state. A Central Directorate controls the production of goods and services. The Directorate

decides the nature, quantity and mode of production of goods. This central body also directs the distribution of goods.[27]

یعنی: "سوشلزم یا کمیونزم سے مراد وہ معاشی نظام جس میں تمام وسائل پیداوار ریاست کی ملکیت قرار پاتے ہیں۔ مرکزی حکومت پیداوار اور اشیاء کی خدمات کو کنٹرول کرتی ہے۔ مرکزی حکومت پیداوار کی مقدار کا فیصلہ کرتی ہے۔ اشیاء کی تقسیم بھی مرکزی حکومت کے تحت براہ راست ہوتی ہے۔" سوشلزم کے نظریہ کی تبلیغ میں مارکس وانیجلز کا سب سے زیادہ حصہ ہے جن کا اپنا گزارہ انیجلز کے باپ کے کارخانہ میں مزدوروں کی طرح کام کرکے ہوتا تھا۔ لیکن اس نظریہ کے نفاذ کا سہرا لینن کے سر رہا جس نے روس کی عوام سے اپنے بھائی کی پھانسی کا بدلہ لینے کے لئے دن رات ایک کر دیا اور آخر کار کمیونسٹ پارٹی کے اقلیت میں ہونے کے باوجود سازش اور عیاری و فریب سے عبوری حکومت کا تختہ الٹ دیا۔[28]

سوشلزم اور اقتدارِ اعلیٰ

تحریکِ اشتراکیت اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے غیر متوازی نظام سرمایہ داری کا ردعمل تھی۔ ابتداء میں اس کی حیثیت محض سلبی تھی لیکن اس کا دار و مدار تمام تر جذبہ مخالفت پر مبنی تھا، اس کا مقصد صرف سرمایہ دارانہ نظام کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنا تھا، جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا، اشتراکیت نے ایک معاشی تحریک سے نکل کر ایک ہمہ گیر تحریک کی شکل اختیار کرلی اور اس کا دائرہ نظر زندگی کے غیر معاشی پہلوؤں پر بھی حاوی ہوگیا۔ سوشلزم کے بانی اور رہبروں نے بڑی صراحت کے ساتھ کہا ہے اس مکتب کے نفاذ کا جبر واستبداد کے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔ خود مارکس کہتا ہے: ''زور و غلبہ ایک فطری قانون ہے اسی پردے میں جو حق پوشیدہ ہے وہی قانون ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ جبر واستبداد کے بغیر غلبہ حاصل نہیں ہوسکتا''۔[29] گویا سوشلزم کا ماننا ہے کہ جبر واستبداد کے بغیر حکومت قائم نہیں ہوسکتی۔

سوشلزم اور مذہب

سوشلسٹ مذہب کے انکاری ہیں۔ ان کے نزدیک مذہب چند فرسودہ خیالات کا مجموعہ ہے لہٰذا اس کو معطل کر دینا چاہیے۔ اشتراکیت کے پیروکار مذہب کو ''افیون'' تصور کرتے ہیں۔[30] اس ضمن میں سب سے پہلے کارل مارکس نے یہ الفاظ استعمال کیے:

Marx is the champion of materialism. He regards religion as opium for man, which makes him forget material facts and entangles him in metaphysical issues. Hence, religion, in Marx’s view, is the enemy of progress.[31]

یعنی: "مارکس مادیت کا بانی ہے۔ وہ مذہب کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ انسان کے لئے ایک روحانی نشہ ہے جو اُس کو مادی حقائق بھلانے اور مشکلات میں پھنسانے کا باعث بنتا ہے، پس مذہب مارکس کے نزدیک ترقی کی راہ میں بڑا دشمن ہے۔" کارل مارکس کے بقول عبوری دور میں پرولتاری ڈکٹیٹر شپ یعنی مزدوروں کی آمرانہ حکومت کا قیام ضروری ہے تاکہ سرمایہ داروں کے بقیہ نشانات اور پوشیدہ اثرات سے بھی معاشرے کو صاف کیا جائے۔ مارکس کے نزدیک تمام قسم کی حکومتیں نوعیت کے اعتبار سے آمرانہ ہوتی ہیں۔
لینن کہتا ہے: "انقلابی حکومت کو آمرانہ اقدامات کرنے چاہییں۔"[32] اشتراکی نظام پارٹی ڈکٹیٹر شپ اور لیڈروں کی ڈکٹیٹر شپ کے حامی ہیں۔ پارٹی کی آمریت اور اس کے اختیارات نمائشی چیز ہے، اصل اقتدار اس نظام میں پارٹی لیڈر کے پاس ہوتا ہے۔ یعنی قانون بھی انہی کی منشا سے بنتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اشتراکیت اپنی اصل نوعیت کے اعتبار سے لیڈر کی شخصی آمریت اور فردِ واحد کی استبدادی بادشاہت کا دوسرا نام ہے۔

3۔ جمہوریت

جمہوریت بنیادی طور پر سیاست کے ایک حصے، یعنی حکومت کی تنظیم اور طریق کار سے منسلک ہے۔ اُردو زبان کے برعکس عربی کا لفظ "جمہور" انگریزی کی اصطلاح "ڈیماکریسی" کے متبادل طور پر مقبول ہوا ہے۔ عربی لغت کے ماہرین کی آراء سے واضح ہوتا ہے کہ 'جمہوریت' لفظ 'جمہور' سے بنا ہے جس کا بنیادی مادہ 'جمھر' ہے۔ (ج،م،ھ،ر) اور اس کا معنی کسی شئے کا مجموعہ ہے۔ لسان العرب میں مذکور ہے: "جُمْهُورٌ وجَمْهَرْتُ القومَ إذا جمعتهم وجَمْهَرْتُ الشیءَ إذا جمعته"[33] ترجمہ: "جمہور کا لفظ قوم کے لئے استعمال ہوتا ہے جب وہ جمع ہو جائے یعنی کسی چیز کا بڑی مقدار میں جمع ہونا جمہور ہے۔" اسی طرح مرتضٰی زبیدی لکھتے ہیں: "(وجَمْهَرَه)، أي الشیءَ: (جَمَعَه) وجُمْهُورُ کُلِّ شیءٍ"[34] ترجمہ: "جمھر کا مادہ کسی شے کا جمع کرنا اور جمہور اشیاء کا کل ہے۔" اس کا مطلب یہ ہوا کہ جمہور کا بنیادی مفہوم کسی چیز کا اکثریت میں پایا جانا اور اس کا دوسری چیزوں سے ممتاز اور نمایاں ہونا ہے۔ جمہور کا لفظ انسانوں کے لئے آئے تو ان کی اکثریت یا ممتاز اکثریت مراد ہوتی ہے۔ گویا جمہوریت کا لفظ اپنے لغوی معنوں میں اکثریت اور نمایاں اکثریت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

مغربی تصورِ جمہوریت

مغربی سیاسی فکر کی اصطلاح میں ایسا طرز حکومت، جس میں کسی ریاست کی حکومت، رعایا کی اکثریت کی مرضی کے تابع ہو۔ انگریزی میں ڈیموکریسی "Democracy" کا لفظ ،یونانی زبان کے دو الفاظ ''Demos'' اور ''Kratos'' سے مل کر بنا ہے اور لغوی مفہوم کے لحاظ سے ''لوگوں کی حاکمیت'' کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

ڈیوڈ ہیلڈ لکھتا ہے:

"The word 'democracy' came into English in the sixteenth century from the French demokratic, its origins are Greek; Democracy is derived from demokratia, the root meanings of which are demos (People) and krato (rule). Democracy."[35]

یعنی: "لفظ جمہوریت، انگریزی زبان میں سولہویں صدی عیسوی میں فرانس سے آیا ہے کہ جب کہ یہ اپنی اصل کے لحاظ سے یونانی زبان کے الفاظ 'ڈیماس' (یعنی لوگ) اور کراتوس، (یعنی حاکمیت) سے ماخوذ ہے۔ گو یا جمہوریت سے مراد ایسا طرز حکومت ہے جس میں لوگ خود حاکم ہوں۔" جمہوریت اس وقت عمل میں آتی ہے جب عوام الناس کی اکثریت بالواسطہ طور پر یا براہ راست ریاستی اقتدار میں شریک ہو۔

جمہوریت اور اقتدار اعلیٰ کا نظریہ

مغربی نظریہ جمہوریت میں قانون سازی ،عدلیہ اور تنفیذ میں اقتدار اعلیٰ عوام یا اُمت ہوتی ہے اور وہ قوت کا سرچشمہ ہے۔ سیادت (اقتدار اعلیٰ) سے مراد اعلیٰ حکمرانی جسے قانون سازی کا حق حاصل ہوتا ہے، جس سے بلند تر کوئی حکمرانی نہیں ہوتی جو علاقوں کی منتظم ہو۔ وہ امر و نواہی کے بالاتر اختیارات خود اپنے لیے فرض کرتی ہے۔ اس فکر کی بنیاد نظریہ عقد اجتماعی (Social contract) تھا جس کی وکالت جان ژاک روسو (فرانس) نے کی۔ روسو نے اپنی کتاب کے دوسرے باب میں اقتدارِ اعلیٰ کا ناقابل تقسیم ہونا بیان کیا ہے۔ یعنی اقتدارِ اعلیٰ چونکہ ادارِ اجتماعی کے نفاذ کا دوسرا نام ہے اس لیے اقتدارِ اعلیٰ کو مستقل نہیں کیا جا سکتا۔[36] اسی بات کی عکاسی انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا میں ملتی ہے:

"Sovereignty is one, Indivisible, unalienable and imprescriptible; it belongs to the nation; no group can attribute sovereignty to itself nor can Individual arrogate it to himself".[37]

یعنی: "اقتدارِ اعلیٰ یکتا ہوتا ہے، ناقابل تقسیم، ناقابل انتقال اور اٹل، یہ قوم کی ملکیت ہے، کوئی فرد اس کو اپنے نام کر سکتا ہے نا کوئی گروہ اسے اپنے ساتھ منسوب کر سکتا ہے۔" یہ ہے مغرب کا جدید سیاسی نظام میں اقتدار اعلیٰ

کا تصور جو جمہوریت کے قیام کا باعث بنا۔ جمہوری طرز عمل کے اس پہلو کا فکری پس منظر یہ تصور ہے کہ انسان خود ہی معیار خیر و شر ہے۔اس فلسفے نے کائنات میں انسان کے وجود اور اس مقام کا نئے سرے سے تعین کیا اور انسان خدا کے مقابلے میں زیادہ اہم قرار پایا۔ اسی فکر کی عملی صورت، سیاسی و سماجی میدان میں جمہوریت کے روپ میں ظاہر ہوئی۔ اقتدارِ اعلیٰ کے اصل مالک عوام ہیں۔ ریاست کا وجود اس کے علاوہ کسی اور مقصد کے لئے نہیں کہ وہ عوام الناس کے حق اقتدار کو عملی شکل رہنے کا ذریعہ ہے۔

مغربی تصورِ اقتدار اعلیٰ کی اہم خصوصیات

قدیم اور جدید تصور اقتدار اعلیٰ کا جائزہ لینے کے بعد اس کی درج ذیل خصوصیات سامنے آتی ہیں:

مطلق العنانیت

قدیم وجدید تصورات کی روشنی میں یہ ثابت ہوا کہ مغرب میں ایک شخص کو اقتدارِ اعلیٰ کے اختیارات ودیعت کر دیئے گئے ہیں۔ چونکہ ان کے ہاں خدا کا کوئی تصور نہیں، اس لیے بادشاہ ہی کو خدا کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ وہ سب سے بالاتر ذات ہے جو ہر قسم کی تنقید سے آزاد ہے۔ جیسے رومی نظام میں سیاسی پہلو سے چرچ کی سرکشی بڑھ گئی اور بڑے پادری (پاپا) کا اقتدار سیاسی اقتدار پر مکمل طور پر چھا گیا۔ اس درجہ تک کہ پاپا سے متعلق نقل کیا جاتا ہے:

''پاپا زمین پر اللہ کا نمائندہ ہے۔ تمام عیسائیوں پر وہ حاکم ہے اور پاپا کے لئے سرداری اور سب سے بڑا اقتدار ہونا چاہیے۔ پاپا کے اختیار میں تھا کہ وہ بادشاہوں کی تاج پوشی کرائے اور جب وہ اس سے جھگڑیں یا اس کی حکم عدولی کریں تو انہیں بے تاج بنا دے۔''

آزادی

ملوکیت، چنگیزیت اور پاپائیت کے حوالے سے بادشاہ آزاد ہے وہ جو چاہے قانون بنائے جو چاہے حکم صادر کرے، اسی طرح سرمایہ داری نظام کے قائل لوگ سرمایہ دار کی آزادی کے قائل ہیں اور وہ سیاسی حوالے سے لبرلزم کی بنیاد رکھتے ہیں۔ اشتراکی نظام نے حکومت کو اقتدار کے اختیار تفویض کیے ہیں۔ لیکن مزدوروں کو سرمایہ دار پر فوقیت وآمریت دی گئی ہے۔ اس نظام کا خاصہ یہ ہے کہ مذہب سے دوری یعنی مذہب کو سیاست میں کوئی مقام حاصل نہیں گویا یہ نظام سیکولرازم کا قائل ہے۔

طاقت کا استعمال

قدیم و جدید نقطہ نگاہ سے طاقت کا استعمال عام نظر آتا ہے۔ یعنی انقلاب کے لئے ضروری ہے کہ طاقت کا استعمال کرتے ہوئے دشمن یا دوسرے نظاموں کو زیر کر دو، تشدد اور قتل و غارت ان تمام نظاموں کا خاصہ رہا ہے۔

شخصی قانون

مذہب اور خدا کا تصور نہ ہونے کے باعث قانون بنانے کا اختیار فرمانروا کو حاصل ہے۔ حکمران اپنی مرضی و منشاء کے مطابق بناتا ہے۔ جس میں اُس کے اپنے انفرادی مفاد کو عمل دخل ہوتا ہے اور اس کا قانون اجتماعیت کی فلاح و بہبود پر مبنی نہیں ہوتا ہے عوام بادشاہ یا حاکم کے بنائے ہوئے قانون کو ماننے پر مجبور ہوتے ہیں۔ جیسے پاپائیت کے نظام میں احبار و رہبان کو اہلِ کتاب اپنا تشریعی رب مانتے تھے۔ علامہ یزدی اپنی کتاب اسلامی سیاست میں لکھتے ہیں: ''عیسائی کبھی بھی احبار و راہبوں کو سجدے نہیں کرتے تھے، لیکن بعد میں بغیر کسی قید و شرط ان کی اطاعت اور ان کو رب ماننے کے برابر سمجھا جانے لگا۔[38] موجودہ جمہوری فکر کے مطابق مغربی تصور یہ ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ عوام کے پاس ہے، اور عوام ہی اپنے حکومتی ارکان کو منتخب کرتے ہیں اور ان حکومتی ارکان کو قانون بنانے کا حق حاصل ہے۔ جدید جمہوریت کی نظر میں دین نہ تو قانون گزاری میں کوئی مداخلت کر سکتا ہے اور نہ ہی قانون کے جاری کرنے والے دین کے نام پر حکومت کریں۔ بلکہ یہ حق صرف حکومتی ارکان کو حاصل ہے۔

حاکمیت کا اختیار اور موروثیت

مغربی سیاسی نظام میں حاکمیت کا سرچشمہ تو بادشاہ کی ذات ہے لیکن ابدی منصب نہیں۔ کیونکہ بادشاہ کے اس جہان فانی سے رخصت ہونے کے بعد یہ اختیار اُسی کے خاندان میں منتقل ہوتا ہے۔ اس حکومت کی ایک شکل شاہی حکومت کی بھی ہے۔ یعنی حکومت کا اختیار ایک ہی خاندان میں سالوں سال چلتا ہے۔ جیسے موجودہ دور میں عرب علاقوں کا حکومتی نظام، شاہ برطانیہ کے اختیارات وغیرہ اس کی زندہ تصویر ہیں۔

دولت و سرمایہ کی برتری اور حاکمیت

قدیم نظام حکومت کے مطابق اور جدیدیت کے نقطۂ نظر سے حاکم بننے کا حقدار وہی ہے جو دولت و سرمایہ میں دوسروں پر برتری رکھتا ہو۔ مثلاً سرمایہ دارانہ نظام میں سرمایہ دار کو دولت کے سبب برتری حاصل رہی۔

اسلامی نقطہ نظر سے اقتدار اعلیٰ کی حقیقت

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اقتدار اعلیٰ کا مالک صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وہی معبود، وہی رب، وہی حاکم اور حکومت اس کے لئے ہے۔ اسی کا امر قابل قبول ہے۔ سیاسی حوالے سے اسلام آزادی و جمہوریت کا قائل ہے جو نوع انسانی کو اس سے چھینی ہوئی آزادی واپس دلانے کے لئے آیا تھا۔ یہ آزادی بادشاہوں اجنبی حکومتوں، خود غرض پیشواوں، سوسائٹی کی طاقتوں اور جماعتوں نے غضب کر رکھی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ حق طاقت و غلبہ کا نام ہے لیکن اسلام نے ظاہر ہوتے ہی اعلان کیا، کہ طاقت حق نہیں بلکہ خود حق طاقت ہے اور خدا کے سوا کسی انسان کو حق حاصل نہیں کہ بندگانِ خدا کو اپنا محکوم بنائے۔ اس نے امتیاز اور بالادستی کے تمام قومی و نسلی مراتب یک قلم مٹا دیئے اور دنیا کو بتلا دیا کہ سب انسان درجہ میں برابر ہیں۔

اسلام نے بادشاہ کے اقتدار اور مطلق العنانیت سے انکار کیا ہے وہ صرف رئیس جمہوریت کے لئے خلیفہ کا لقب منتخب کرتا ہے جس کے معنی نائب اور جانشین کے ہیں۔ اس کا اقتدار محض نیابت قوم ہے اور بس نیابت الٰہی ہر مسلمان کو حاصل ہے۔ لیکن اصل اختیارات کا سر چشمہ خدا تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔[39] اسلام کے قانون حکومت میں خداوند عالم کی ہستی مطلق حاکم ہونے، قادر علی الشیٔ، قدرت اور ہمہگیر غلبہ اقتدار اعلیٰ کی وضاحت ملتی ہے اور خدا برتر ہستی 'صاحبِ اقتدار اعلیٰ' ہے۔[40]

قرآن اور اقتدارِ اعلیٰ کا مفہوم

اقتدارِ اعلیٰ کے لفظ کا جو مفہوم قرآن سے ظاہر ہے، قرآن اُس کو ملکوت قرار دیتا ہے۔ قرآن نے جس طرح حکومت، خلافت اور امامت کے الفاظ سے اپنے رجحانِ حکومت کو ظاہر کیا ہے۔ وہاں ملکوت کا لفظ بھی غلبہ کے رجحان کو ظاہر کرتا ہے۔ چونکہ اسلامی حکومت کا مقتدرِ اعلیٰ اللہ ہے اور وہ اپنے خدائی عرش سے اپنے اقتدار کا مظاہرہ کرتا ہے، اس لئے قرآن میں ملکوت کا لفظ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ ارشاد ربانی تعالیٰ ہے: مَنۡ بِيَدِهٖ مَلَكُوۡتُ كُلِّ شَىۡءٍ (88:23) ترجمہ: جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے۔ فَسُبۡحٰنَ الَّذِىۡ بِيَدِهٖ مَلَكُوۡتُ كُلِّ شَىۡءٍ (83:36) ترجمہ: "پاک ہے وہ ذات، جس کے قبضہ قدرت میں ہر چیز کی حکومت ہے۔" علماء قانون، ''ملکوت' 'کا ترجمہ سلطان کرتے ہیں۔ قرآن کی اصطلاح میں سلطان کا صحیح مفہوم غلبہ اور اقتدار کے ہیں۔ امام راغب اصفہانی نے المفردات القرآن میں حکومت، فرمانروا اور اقتدارِ اعلیٰ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں: " ھو المتصرف بالامر والنھی فی الجمھور"[41] ترجمہ: جمہور میں امر و نہی احکام کے لئے حاکمانہ تصرف۔ ملکوت کا دوسرا معنیٰ:

"اسم لكلّ من يملك السياسة"[42] ترجمہ: "فرمانروا نام ہے اس ہستی کا جو سیاست کو چلائے۔ ملکوت کا تیسرا معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ: "والملكوت مختص يملك الله تعالى۔"[43] یعنی ملکوت مختص ہے اللہ تعالیٰ اس کا مالک ہے۔ لہٰذا ملکوتی اقتدار اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے اور اسی کے غلبہ اور قدرت کا نشانِ امتیاز ہے۔

قران پاک کی روشنی میں حاکمیت الٰہیہ کا ثبوت

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت الٰہیہ اور قانون سازی کے بارے میں متعدد مقامات پر وضاحت ملتی ہے۔ 22 آیات وہ ہیں جن میں لفظ حکم اور اس کے مشتقات سے اللہ کا حاکم ہونا ثابت ہے۔ مثلاً ارشاد خداوندی ہے: أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ(5:50) ترجمہ: تو کیا وہ جاہلیت کے زمانہ کے فیصلے چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بہتر کس کا حکم ہو سکتا ہے اس قوم کے نزدیک جو یقین رکھتی ہو۔ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی حکم نہیں۔ 40:12) وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (5:55) ترجمہ: اور جو شخص اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ (وحکومت) نہ کرے، سو وہی لوگ کافر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کتابیں اس لیے نازل کیں کہ ہر معاملے کا فیصلہ ان کے مطابق کیا جائے، اور ان کو زندگی کا واجب الاطاعت قانون بنادیا جائے۔

حاکمیت الٰہیہ کے بارے میں احادیث

اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے بارے میں احادیث رسول ﷺ میں بھی صراحت سے بیان ملتا ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ تہجد کے وقت رسول اللہ ﷺ ایک طویل دُعا پڑھا کرتے تھے۔ جس کا ایک فقرہ یہ ہے: "وبك خاصمت وإليك حاكمت"[44] ترجمہ: "میں تیری مدد سے بحث کرتا ہوں اور تیری وحی پر فیصلہ کرتا ہوں۔" ابن حجر نے تحاکمت کی تشریح اس طرح کی ہے کہ میں تمام معاملات اور تنازعات کا فیصلہ تیرے حکم کے مطابق کرتا ہوں جاہلیت کی رسوم مشرکانہ پر نہیں کرتا۔ حضرت عبداللہ بن ابی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سألت عبد الله بن ابی أوصی ﷺ: هل كان النبي أوصى، قال: أوصى بكتاب الله[45] ترجمہ: عبداللہ بن ابی نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ وصیت کیا ہے تو جواب میں رسول اللہ ﷺ نے کتاب اللہ پر عمل کرنے کی وصیت فرمائی۔ احادیث رسول اللہ ﷺ کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ حاکمیت الٰہیہ کا مقصد بھی یہی ہے کہ اللہ کے نازل کردہ قانون کی وضعی قانون پر بالادستی تسلیم کی جائے اور وحی الٰہی کو ماخذ قانون قرار دیا جائے۔

اِقتدار اعلیٰ کی خصوصیات: (اسلامی تصورات کی روشنی میں)

اقتدارِ اعلیٰ کیا ہے؟ اس کا نشان کیا ہے؟ اس کی خصوصیات کیا ہیں؟ وہ خصوصیات جن سے ہم اس کو پہچان سکیں قرآن عظیم کے ضابطہ اجتماعی میں اقتدارِ اعلیٰ کی پہچان کے لئے جو خصوصیات درج کی گئی ہیں اُن کو اس زمانہ کے سیاسی میلاپ نے بھی قبول کر لیا ہے۔[46] لیکن ایک تباہ کن فرق کے ساتھ اقتدارِ اعلیٰ کی حیثیت اور اس کی خصوصیات کو تسلیم کر لیا گیا اور مقتدر اعلیٰ سے انکار کر دیا گیا۔[47] قرآن کے سیاسی فلسفہ کی روشنی میں اقتدارِ اعلیٰ کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

ا۔ وحدت اقتدار

اسلامی حکومت کا اقتدارِ اعلیٰ اقتدار میں قطعی وحدت کا مالک ہے۔ ذات باری تعالیٰ ہر حیثیت سے منفرد یکتا ہے۔ ذات کے علاوہ صفاتی لحاظ سے بھی اس کا کوئی ثانی نہیں قرآن کی زبان میں لَیس کمثلہٖ شیئًا یعنی اس کی مانند کوئی شے نہیں وہ واحد ہے اور کل کائنات کی حکومت اُس کے لئے مخصوص ہے۔[48] علامہ ابو البقاء "وحدت اقتدار" کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں: "وحدت ناقابلِ تقسیم اکائی ہے، وحدت کے معنی یہ ہیں کہ کثرت نہ ہو، خداوند برتر حقیقی اور ذاتی وحدت کا مالک ہے۔ اس کی وحدت اقتدار و کمال کے لحاظ سے موثر ہے اور عام انتظام کے دائرہ میں بغیر کسی شرکت کے کارفرما ہوتی ہے۔"[49] قرآن پاک نے حکومت کی وحدت کو دو جملوں میں پیش کیا ہے۔ خدا کی سلطنت ایک ایسی وحدت ہے۔ جس میں کوئی شریک نہیں: وَلَمۡ یَکُنۡ لَہٗ شَرِیۡکٌ فِی الۡمُلۡکِ (2:25) ترجمہ: اُس کے ساتھ ملک میں کوئی شریک نہیں۔

ب۔ قدرت عامہ

قرآن پاک کے بیان کے مطابق اللہ کا اقتدار ہر جگہ اور ہر چیز پر قائم رہتا ہے اس کی ریاست کی کوئی حد نہیں۔ زمین و آسمان ہر جگہ خدا کا حکم اُترتا ہے۔ تاکہ انسان اس حقیقت کو پہچان لے کہ: اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ (20:2) ترجمہ: "بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔" علامہ راغب اصفہانی کی قدرت عامہ کے بارے میں لکھتے ہیں: "قدرت عامہ ایک ایسی خصوصیت ہے، جس کی مکمل نسبت خدا کے سوا کسی دوسری ہستی کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ وہ ایک قادر اور مقتدر ہستی کی حیثیت سے اپنے حکم اور حکومت کے کام میں قابلِ تعریف تشخص رکھتا ہے"۔[50]

۳۔ بالادستی

بالادستی خداوند کی روح ہے، جو ہر شے کی طرح سلطنت سے بھی اوپر ہے۔ بالادستی اسلام کے اقتدارِ اعلیٰ کی حقیقت ہے۔ قرآن خدا کی حاکمیت اور بالادستی کے متعلق اپنا قانونی نظریہ پیش کرتا ہے: فَتَعَالَى اللهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ(114:20) ترجمہ: "اللہ بادشاہ برحق ! بلند و بالادست ہے۔" وَأَنَّ اللهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ(62:22) ترجمہ: "اللہ بلند و بالادست اور باعظمت ہے۔" یعنی اس بالادستی کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنے مرتبہ اور حکومت میں اتنا اونچا ہے کہ کوئی اس سے اونچا نہیں۔ امام غزالی نے اپنی سیاسی تصنیف میں اسلامی حکومت کے مقتدرِ اعلیٰ کی قدرت عامہ اور بالادستی کے متعلق لکھا ہے: "دُنیا کی ہر چیز اس کے تخت سلطنت کے ماتحت ہے اور تخت اس کے اقتدار اعلیٰ کے ماتحت ہے۔اس کا اقتدار، قدرت عامہ اور حکومت کمال کے ایسے فقہاپر ہے کہ اُس سے اوپر کوئی اقتدار نہیں۔ ہر کمی سے محفوظ اور ہر نقصان سے خالی اس کے غلبے اور تسخیر کو قوتیں یہ ثابت کرتی ہیں کہ حکومت اُس کی چیز ہے"۔[51]

آزادی

قرآن پاک نے چودہ سو صدیاں قبل وضاحت دے دی تھی کہ اسلامی حکومت کا مقتدر اپنے حکم میں آزاد ہے جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے اور اس کی آزادی کو کوئی پابندی اور کسی قسم کی مجبوری لاحق نہیں ہو سکی۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: وَيَفْعَلُ اللهُ مَا يَشَاءُ (27:14) ترجمہ: اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ وَمَا كَانَ اللهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا (44:35) ترجمہ: اور آسمانوں میں اور زمین میں اللہ کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی، بلا شبہ وہ جاننے والا ہے، قدرت والا ہے۔ وَاللهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ (41:13) ترجمہ: "اور اللہ حکم فرماتا ہے اس کے حکم کو کوئی ہٹانے والا نہیں۔" سلطنت کے قانون میں آزادی کی پہلی شرط ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ کسی کے سامنے جوابدہ نہ ہو اور حکومت کا تمام نظام اس کے سامنے مسئول ہو۔خداوند عالم اپنے تصرفات میں کسی کے سامنے جوابدہ ہے اور نہ کسی کا پابند۔

جلالتِ عامہ

اقتدارِ اعلیٰ کی حاکمیت کے لئے جلالت ایک ضروری عنصر ہے، امام راغب کہتے ہیں: الجَلَالَة: عظم القدر، وخصّ بوصف الله تعالى[52] ترجمہ: جلالت (عام عظمت) ایک خاص وصف ہے جو خدا وند برتر کے لئے خاص ہے۔

زندگی ودوام

لازوال زندگی اقتدارِ اعلیٰ کی خصوصیت ہے۔ زندگی اور دوام، اہم اوصاف ہیں جن کا سرچشمہ خدائے تعالیٰ کی ذات ہے۔[53] ایک زندہ اجتماعی نظام کے لئے زندہ اقتدار کی ضرورت ہے اور اس ضرورت کی تکمیل اسلامی نظام حکومت کا اقتدار اعلیٰ کرتا ہے لہٰذا ہمیں کہنا چاہیے اقتدار اعلیٰ ہمیشہ سے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔

فرمانروئے اعلیٰ کے نام

اسلامی حکومت کے فرمانروائے اعلیٰ کی حیثیت سے خداوند تعالیٰ کے اسماء حسنی درج ذیل ہیں:

i. رب العالمین (فرمانروائے عالم): اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینَ (1:1) ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کے لئے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

ii. الملك القدوس (مقدس بادشاہ)

iii. الملك الحق (بادشاہ برحق): اللہُ الْمَلِكُ الْحَقُّ (114:20) ترجمہ: اللہ تعالیٰ جو بادشاہ برحق شان والا ہے۔

iv. مالك الملك (فرمانروائے مملکت): قُلِ اللّٰھُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ (26:3) ترجمہ: آپ کہہ دیجیے (محمد ﷺ) اے اللہ مالک تمام ملک۔)

حاکمیت اعلیٰ کی قانونی حیثیت

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کو الہ اور رب کہا گیا ہے۔ یہ الفاظ تین معنوں میں استعمال ہوتے ہیں مالک، پروردگار، حاکم و بادشاہ۔[54] لفظ رب حاکم تشریعی، شارع اور قانون ساز کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ (64:3) ترجمہ: "اے اہل کتاب! آجاؤ ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور اللہ کے سوا کسی کو رب نو بناؤ پھر اگر وہ اس بات کو قبول تو کریں تو کہہ دو، گواہ رہو ہم تراس دعوت توحید کو ماننے والے ہیں۔"

اسی طرح قضا خداوندی بھی قانونِ شرعی کے معنوں میں آیا ہے۔ ارشاد ربانی تعالیٰ ہے: وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ (23:17) ترجمہ: "اور حکم دیا ہے تیرے رب نے کہ اس کے سوا کسی بندگی نہ کرو۔" لہٰذا اسلامی تصور

اقتدارِ اعلیٰ کی حقیقت سے واضح ہوا کہ قاضی اللہ ہے، حکم دینا اسی کا حق ہے۔انبیاء کرام اور عدالت کے قاضی حاکم حقیقی کے احکام کی تنفید کرتے ہیں۔ اپنی جانب سے اللہ کے حکم کے مقابلے میں قانون بنانے کا حق کسی کو حاصل نہیں۔ قرآن کی تصریحات کے علاوہ مفکرین اسلام اور علمائے کرام نے بھی اپنی کتب سیاست میں امامت وخلافت (حکومت وسلطنت)کے ذکر میں دستوری ضابطوں سے پہلے خدا کے اقتدار اعلیٰ کا ذکر کیا ہے۔[55]

نتائج: اسلامی تصور اقتدارِ اعلیٰ اور جدید تصور اقتدار اعلیٰ میں اختلاف و فرق

1۔سیاسی نظریہ، اقتدارِ اعلیٰ کی ان تمام خصوصیات کو تسلیم کرتا ہے جن کو اسلام نے چودہ سو سال پہلے اور مسلمان معاشروں نے پیش کیا۔ جدید نظریہ قدیم نظریہ کی حرف بحرف پیروی ہے مگر اپنے فرق کے ساتھ کہ عصر جدید کے علماء نے 'صاحب اقتدار اعلیٰ' کی ہستی کو بدل دیا۔

2۔جدید نظریہ سیاسی کی روشنی میں وہ خدا کی ہستی کے تو قائل ہیں۔ لیکن یہ بھی کہتے ہیں کہ جدید علم السیاست خدا کے طریقوں پر گامزن نہیں ان کے اس عقیدے سے معلوم ہوتا ہے کہ جدید نظریہ خدا کی بنائی ہوئی فطرت سے انکار کرکے عقلی رجحان پر اعتماد کرتا ہے۔

3۔علم السیاست کے جدید ماہرین تسلیم کرتے ہیں کہ اقتدار اعلیٰ کے لئے آزادی، اعلیٰ منزلت عامہ جسے اہل روما جلالت کہتے تھے۔ اختیارات عامہ کا عام اور وسیع ہونا۔

4۔سلطنت کی حدود میں سب سے بلند شے ہونا اور اپنے اقتدار میں وحدت کا مالک ہونا ضروری ہے۔ لیکن اس کے ساتھ اقتدارِ اعلیٰ کے تعین میں اختلاف پیدا ہوتا ہے اور مطالعہ کے بعد مغربی سطح پر مختلف آراء سامنے ہیں۔ جن کے نمایاں نقاط درج ذیل ہیں:

i. جیسا کہ ایک رائے یہ ہے کہ سلطنت کی دائمی اور علمی الاطلاق طاقت اقتدارِ اعلیٰ ہے۔

ii. دوسری رائے یہ کہ سلطنت کا حکمران (بادشاہ)اقتدارِاعلیٰ کا مالک ہے لوئیس چہاردہم (۱۷۹۳ء) خود کو مقتدر اعلیٰ سمجھتا تھا۔ انگلستان کے قانون میں تاج برطانیہ مقتدرِاعلیٰ ہے۔ اگر بادشاہ کے اقتدار کو مذہب سے تصدیق حاصل کرنی پڑتی ہے لیکن انگلستان کا شاہی اقتدار ازلی و ابدی ہے۔ بادشاہ عزت کا سرچشمہ، مذہب اور حکومت کا مالک ہے۔

iii. تیسرا نظریہ یہ ہے کہ برطانوی پارلیمنٹ کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہے۔

iv. روسو کا نظریہ یہ ہے کہ صرف عوام یعنی قوم کی خوشی اقتدارِ اعلیٰ ہے۔[56]

v. اسلامی تعلیمات کی رو سے اقتدار کی حقیقی وحدت کو تسلیم کر لیا جائے، کیونکہ حکومت کو ایک مرکزی نظم کو مرکزی وحدت کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ مقتدر اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے تمام بندوں پر مہربان ہے وہ کسی انسان کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ دوسرے انسانوں یا مخلوق خدا پر کسی قسم کی زیادتی کرے۔ خدا بزرگ و برتر انسانوں پر کسی قسم کے جبر کی اجازت نہیں دیتا۔ اُس نے انسان کو نیابت الٰہی سونپا ہے اور اُس کو زمین پر حکومت کرنے کا اختیار دیا اور اس کے ساتھ ساتھ حدود و قیود کا تعین کیا ہے تاکہ معاشرہ میں امن قائم رہے۔

سفارشات

مقالہ ہذا میں اقتدار اعلیٰ کے تصور کا اسلامی اور مغربی نقطہ سے جائزہ لیا گیا اس بحث کی روشنی میں درج ذیل سفارشات مرتب کی گئیں ہیں:

1. اقتدار اعلیٰ کے تصور کو مغرب کے نقطہ نظر سے گہرائی سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔
2. اقتدار اعلیٰ کے معنی و مفہوم کو منصب حکومت کے تحت بیان کرنے کی ضرورت ہے۔
3. سیاسی حوالے سے اقتدار اعلیٰ کے کردار کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔
4. اسلامی نقطۂ نظر اقتدار اعلیٰ اور خلافت کے باہمی تعلق و فرق کی وضاحت بھی ایک بحث طلب موضوع ہے۔

*****

حوالہ جات

1۔ابراہیم مصطفیٰ، *المعجم الوسیط*، ج1 (تہران، المکتبہ العلمیہ، 2004ء)، 189۔

2۔ احمد بن زکریا، ابن فارس، *معجم مقاییس اللغۃ*، ج5 (ایران، دار الکتب العلمیہ، 1979ء)، 275۔

3۔ محمود بن عمر، الزمخشری، ابوالقاسم، *اساس البلاغۃ* (بیروت، داراحیاالتراث العربی، 1422ھ)، 157۔

4۔ابن منظور، *لسان العرب*، ج12 (بیروت، دار صادر، 1405ھ)، 141۔

5۔ابن دُرید، الأزدی، *جمہرۃ اللغۃ*، ج1 (بیروت، دار الکتب العلمیہ لبنان، 1995ء)، 661۔

6۔ سید احمد دہلوی، مولوی، *فرہنگ آصفیہ*، ج1 (لاہور، اُردو سائنس بورڈ، 2006ء)، 112۔

7۔ شان الحق، حقی، *فرہنگ تلفظ* (اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، 2008ء)، 66۔

8۔ ڈاکٹر میاں محمد، صدیقی، *اسلامی قانونی لغت* (اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، 2002ء)، 62۔

9.The New Encyclopedia of Britannica, vol.11 (London, 1903), 56.

10۔ڈاکٹر جمیل، جالبی، *قومی انگریزی اُردو لغت* (اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان،1994ء)، 1903۔
11۔ امام راغب، الاصفہانی،*المفردات فی غریب القرآن* (کراچی،کارخانہ تجارت کتب، 1961ء)،486۔
12۔عبدالرحمٰن، ابن خلدون،*المقدمہ*، فصل فی الخلافۃ(دمشق، مکتبہ دارالبنان،1399ھ)، 1001۔
13۔ مولانا حامد، الانصاری،*اسلام کا نظامِ حکومت* (لاہور،الفیصل ناشران،1999ء) ،7۔
14۔ابن منظور،*لسان العرب*،ج13 (باب النون مع الفامادہ فرعن)،323۔
15۔تفصیل کے لئے ملاحظہ کریں: الاعراف:7/103۔105،ہود:11/96۔97،مزید ابراہیم:114/5،یونس:11/75۔78۔
16۔ابن خلدون،*مقدمہ ابن خلدون*،ج2 (دمشق، مکتبہ دارالبنان،1399ھ)،169۔
17۔ نائیک، ڈاکٹر،*تقابل ادیان*،(خلاصہ صفحات)،(لاہور، چوہدری غلام رسول ملت پبلیکیشنز،س ندارد)، 459-463۔
18۔ایضاً۔
19۔ ابوالاعلیٰ، مودودی،*اسلام اور جدید معاشی نظریات* (لاہور، اسلامک پبلیکیشنز،1998ء)،10۔

20. The New *Encyclopedia Britannica*, Vol.2 (London, 1982), 830.

21۔ ابوالاعلیٰ، مودودی،*اسلام اور جدید معاشی نظریات* ،14۔

22. Dr .T Richard Elie, *History of Economics* (Madison, University of Wisconsin 1915), 65.

23. Main Muhammad Akram, Prof, *Islamic Economics* (Lahore, ilmi kitab khana 2011), 87.

24۔ شاہد مختار، ڈاکٹر، *اسلامی سیاست کے نئے فکری زاویے* (لاہور، شاہد پبلیکیشنز،ندارد)، 285۔
25۔خورشید احمد،*سوشلزم یا اسلام* (دہلی، مرکزی مکتبہ اسلامی، 1982ء)،61۔
26۔ شان الحق، حقی، *فرہنگ تلفظ* (اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان،2008ء)،51۔

27. Jasci Oscar, " Socialism ", *Encyclopedia of the social Sciences,* Vol.XIV (New York, The Macmillan Co. 1950), 210.

28۔ ریاض الحسن، نوری، "سوشلسٹ معاشرہ میں مزدور کی حالت"،*سہ ماہی منہاج عظمت محنت نمبر*، (لاہور اپریل و جولائی 1989ء)، شمارہ3-2: 237/7
29۔کارل مارکس ،*داس کیپیٹل*، مترجم سید، محمد تقی (لاہور، بک ہوم،2014ء)،60۔
30۔ منہاج الدین، ایس۔ایم،*افکار و تصوراتِ اقبال* (ملتان، کاروان ادب، 1993ء)،409۔

31, Carew-Hunt, R, N... *The Theory and Practice of communism* (London, Geoffrey Bles, 1995), 7-8.

32۔ گوہر رحمٰن، مولانا، *اسلامی سیاست* (مردان،مکتبہ تفہیم القرآن،2010)،96۔
33۔ابن منظور،*لسان العرب*،149/4۔

34۔ سید مرتضٰی، الزبیدی، *تاج العروس من جواہر القاموس*، ج10 (بیروت، دارالفکر لبنان، 1414ھ)، 215۔

35.David Held , *Model of Democracy* (Cambridge, 1987), 1-2.

36۔ جان ژاک، روسو، *معاہدہ عمرانی*، مترجم ڈاکٹر محمود حسین (ندارد، مقتدرہ قومی زبان، 1998ء): 83۔

37. *Encyclopedia of Britannica*, Vol. 2 (London, 1903), 56.

38۔ محمد مصباح، یزدی، مترجم، القائم گروپ، *اسلام وسیاست* (لاہور، مصباح القرآن ٹرسٹ، 2013ء)، 220-221۔

39۔ ابوالکلام، آزاد، *قرآن کا قانون عروج وزوال* (لاہور، مکتبہ جمال، 2012ء)، 96۔

40۔ مولانا حامد، الانصاری، *اسلام کا نظام حکومت* (لاہور، الفیصل ناشران، 1999ء)، 159۔

41۔ امام راغب، الاصفہانی، *المفردات فی غریب القرآن*، کتاب المیم، 476۔

42۔ ایضاً، 472۔

43۔ ایضاً، 473۔

44۔ محمد بن اسمٰعیل، البخاری، *الجامع الصحیح*، کتاب الصلوٰۃ، باب التہجد باللّیل (ریاض، مکتبہ دارالسلام، 2000ء) ح120۔

45۔ ایضا، کتاب الوصایا، باب الوصاۃ بکتاب اللہ، ح2740۔

46۔ جان ژاک، روسو، *معاہدہ عمرانی*، 83۔

47۔ مولانا حامد، الانصاری، *اسلام کا نظام حکومت* (لاہور، الفیصل ناشران، 1999ء)، 161۔

48۔ محمد عبدالرشید، *اسلامی ریاست وحکومت* (کراچی، علمی کتاب گھر، 1973ء)، 248۔

49۔ علامہ ابوالبقاء، کلیات ابوالبقاء، (وحد) (دہلی، طبع آشانہ، ندارد)، 674۔

50۔ امام راغب، الاصفہانی، *المفردات فی غریب القرآن* (قدر)، 274-276۔

51۔ امام، غزالی، *التبر المسبوک فی نصائح الملوک* (جمالیہ مصر مطبع، 1306ء)، 6-7۔

52۔ امام راغب، الاصفہانی، *المفردات فی غریب القرآن* (جل الجلالۃ)، کتاب الجیم، ص، 94۔

53۔ علامہ ابوالبقاء، *کلیات ابوالبقاء*، (وحد) (دہلی، طبع آشانہ، سن ندارد)، 301۔

54۔ مولانا گوہر رحمٰن، *اسلامی سیاست* (مردان، مکتبہ تفہیم القرآن، 2010)، 246۔

55۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: ابوالحسن علی بن محمد، الماوردی، *الاحکام السلطانیہ* (مصر، مکتبہ القومیہ، سن ندارد)، 2۔

56۔ جان ژاک، روسو، *معاہدہ عمرانی*، مترجم ڈاکٹر محمود حسین (اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، 1998ء)، 83۔

Bibliography

1) Azad, Abulkalām, *Quran ka Qanūn-e Urūj-o Zawāl*, Lahore, Maktaba Jamāl, 2012.
2) Al-Azdi, Ibn Durayd, *Jamharah al-Lugah*, Beirut, Dar al-Kutub al-E'lmiyyah, 1995.

3) Al-Ansari, Maolana Hamid, *Islam ka Nizam-e Hokumat*, Lahore, Al-Faisal Nashirān, 1999.
4) Abu al-Baqa, Allama, *Kulliyat Abu al-Baqa*, Delhi, Taba' Ashana, nd.
5) Ahmad, Khursheed, *Socialism ya Islam*, Delhi, Markazi Maktaba Islami, 1982.
6) Abd al-Rahman, Ibn Khaldun, *Al-Muqaddamah*, Damascus, Maktaba Dar al-Banān, 1399/1978.
7) Al-Ansari, Maolana Hamid, *Islam ka Nizam-e Hokumat*, Lahore, Al-Faisal Nashirān, 1999.
8) Abd al-Rashīd, Muhammad, *Islami Riyasat-o Hokumat*, Karachi, E'lmi Kitab Ghar, 1973.
9) Al-Bukhari, Muhammad bin Ismael, *Al-Jame' al-Sahih*: Kitab al-Salah, Riyadh, Maktaba Dar al-Salām, 2000.
10) Dehlvi, Maolavi Seyyed Ahmad, *Farhangh-e Asifiyah*, Lahore, Urdu Science Board, 2006.
11) Dr. Naik, *Taqabul-e Adyān*, Lahore, Chaudhary Ghulam Rasool Millat Publications, nd.
12) Ghazali, Imam, *Al-Mabsūk fi Nasa'eh al-Mamlūk*, Egypt, Jamaliyyah, 1306/1927.
13) Haqqi, Shan al-Haq, *Farhang-e Talaffuz*, Islamabad, Muqtadarah Qao'mi Zuban, 2008.
14) Ibn Manzūr, *Lisān al-Arab*, Beirut, Dar Sadir, 1405/1984.
15) Isfahani, Imam Raghib, *Al-Mufradāt fi Gharib al-Quran*, Karachi, Karkhana Tijarat-e Kutub, 1961.
16) Ibrahim Mustafa, *Al-Mu'jam al-Wasīt*, Tehran, al-Maktaba al-E'lmiyyah, 2004.
17) Ibn Khaldun, *Muqaddamah Khaldun*, Damascus, Maktaba Dar al-Bayān, 1399/1979.
18) Jalabi, Dr. Jameel, *Qao'mi Ungarezi Urdu Lughat*, Islamabad, Muqtadarah Qao'mi Zuban, 1994.
19) Al-Marwadi, Abu al-Hasan Ali bin Muhammad, *Al-Ahkām al-Sultaniyyah*, Egypt, Maktaba al-Qao'miyyah, nd.
20) Mukhtar, Dr. Shahid, *Islami Siyasat key Naye Fikri Zawiye*, Lahore, Shahid Publications, nd.
21) Marx, Karl, *Das Kapital*, Translated by Seyyed Muhammad Taqi, Lahore, Book Home, 2014.
22) Maududi, Abul A'la, *Islam aur Jadīd Mu'ashi Nazriyāt*, Lahore, Islamic Publications, 1988.
23) Maolana, Gohar Rahman, *Islami Siyasat*, Mardan, Maktaba Tafhīm al-Quran, 2010.
24) Misbah, Muhammad Yazdi, *Islam wa Siyasat*, Translated by al-Qa'im Group, Lahore, Misbah al-Quran Trust, 2013.

25) Noori, Riyadh al-Hasan, "Socialist Mu'ashirah may Mazdūr ki Halat," *Quarterly Minhaj-e Azmat-e Mehnat*, 2-3 (1989).
26) Rousseau, Jean-Jacques, *Mu'āhida-ye Umrani*, Translated by Dr. Mahmoud Hussain, Islamabad, Muqtadarah Qao'mi Zuban, 1998.
27) SM, Minhaj al-Dīn, *Ifkār-o Tasawwurāt-e Iqbal*, Multan, Karawan-e Adab, 1993
28) Siddiqui, Dr. Miyan Muhammad, *Islami Qanūni Lughat*, Islamabd, Muqtadarah Qao'mi Zuban, 2002.
29) Al-Zamakhshari, Abu al-Qasim Mahmoud bin Umar, *Asās al-Balagah*, Beirut, Dar al-Ihya al-Turath al-Arabi, 1422/2001.
30) Zakriya, Ahmad bin, ibn Farus, *Mu'jam Maqa'yēs al-Lugah*, Iran, Dar al-Maktaba al-E'lmiyyah, 1979.
31) Al-Zabīdī, Seyyed Murtada, *Tāj al-Urūs min Jawahir al-Qamūs*, Beirut, Dar al-Fikr, 1414/1993.